بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ شمار نمبر/35 برائے بتاریخ 18/جنوری 2019 پیش خدمت ہے۔

# عزت کا اصل معیار

**نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔اما بعد۔ قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید۔**

**اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔**

إِنَّ أَكرَمَكُم عِندَ اللَّهِ أَتقاكُم ۚ إِنَّ اللَّهَ عَليمٌ خَبيرٌ

وقال اللہ تعالی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ـصدق اللہ العظیم

برادران اسلام! دنیا میں ایک اچھی زندگی گزارنا اور یہاں کی نعمتوں سے استفادہ کرنا ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ اسلام نے دین فطرت ہونے کے ناطے انسانوں کی اس خواہش کی حوصلہ شکنی نہیں کی ہے بلکہ کچھ حدود مقرر کردئے ہیں تاکہ آدمی حرص وہوس میں مبتلا ہو کر زندگی کے اصل مقاصد کو فراموش نہ کردے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جو صفت مطلوب ہے وہ تقوی ہے جو ہر نیکی کی جڑ ہے اور برائیوں سے بچنے کی ڈھال ہے۔ سورہ حجرات آیت 13 میں اللہ کا ارشاد ہے۔ إِنَّ أَكرَمَكُم عِندَ اللَّهِ أَتقاكُم ۚ إِنَّ اللَّهَ عَليمٌ خَبيرٌ۔ بیشک اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔ بیشک اللہ

تعالیٰ جاننے اور خبر رکھنے والا ہے۔ انسانوں کو زندگی دینے والے رب کا انسانوں سے مطالبہ ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور مرتے دم تک مسلم بن کر رہیں۔

انسان کے اندر فطری طور پر یہ خواہش بھی پائی جاتی ہے کہ اسے اچھے نام سے یاد کیا جائے اور اسے عزت و تکریم ملے۔ اس عزت کو پانے کے لئے آدمی سو جتن کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں اصل عزت کو پانے کا ایک ہی معیار مقرر کیا ہے اور وہ ہے تقویٰ کی زندگی۔ امام شافعی کے واقعات میں آتا ہے کہ جب آپ نے مصر تشریف لانے کے بعد سلسلہ درس و تدریس شروع کیا تو ان کی شہرت ہر طرف پھیل گئی، عوام و خواص دلی طور پر ان کا احترام کرنے لگے آپ کا ایک شاگرد تھا، جس کا نام عبد اللہ بن عبد الحکم تھا۔ اس نے دیکھا کہ میرے استاذ امام شافعی فقر کی زندگی گزار رہے ہیں، مسجدوں میں گوشہ نشین رہتے ہیں اور حکمرانوں کے پاس آمد و رفت نہیں رکھتے۔ اس نے امام شافعی سے عرض کیا: اگر آپ مصر میں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کے پاس ایک سال کی خوراک ہونی چاہیے۔ نیز سلطانِ وقت کی مجلس میں کبھی کبھار حاضری ضرور ہونی چاہیے تاکہ آپ کی عزت میں شایان شان ترقی ہو۔ اس کا خیال تھا کہ امام شافعی میرا مشورہ قبول کر لیں گے اور میں انہیں شاہی دربار تک پہنچا دوں گا لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو دستِ سوال صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پھیلاتے ہیں ان علماء کی طرح سلاطین اور حکمرانوں کا قرب تلاش نہیں کرتے جو علمی امانت کے حامل نہیں ہوتے اور جن کی زندگی کا ماحصل ہی حکمرانوں کے مقربین کی نگاہ التفات اور ان کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا: ابو محمد! جسے تقویٰ عزت نہ دے، اس کی کوئی عزت نہیں، میں غزّہ میں پیدا ہوا، حجاز میں پرورش پائی حال یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک رات کی خوراک نہیں ہوتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ہم نے بھوکے رات گزاری ہو۔

حاضرین کرام! پسندیدہ دولت، جایداد، عیش و آرام کے اسباب و وسائل، سکون اور سہولت کے سامان، بلاشبہ اللہ کی نعمتیں ہیں۔ ہر دور میں انسان نے ان نعمتوں کو حاصل کرنے اور ان سے لذّت اندوز ہونے اور لذت اندوز رہنے کی کوشش کی ہے اور اللہ نے اپنی حکمت و مشیّت کے تحت جس کو جس قدر چاہا نوازا ہے۔ ان نعمتوں کے حصول کی فکر و کاوش کے بارے میں کون کہہ سکتا ہے کہ غلط اور ناپسندیدہ ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ دورِ حاضر میں ان نعمتوں کے حصول کی فکر و کاوش نے ہوس اور حرص کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اور یہ ہوس ہر انسان پر اس طرح چھائی ہوئی نظر آتی ہے کہ قناعت کا مفہوم سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ فضائلِ اخلاق کی فہرست میں قناعت کا عنوان تو ضرور مل سکتا ہے لیکن انسانی زندگی میں قناعت کا مصداق ملنا بہت دشوار ہوگیا ہے۔

کسی مجلس میں اس ہوس اور حرص و لالچ کا ذکر چھڑ جائے تو شاید کوئی ایک سنجیدہ انسان بھی ایسا نہ ملے جو اس سے نفرت اور بے زاری کا اظہار نہ کرے، لیکن عملاً کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دور کے ہر انسان کا نصب العین شعوری یا لاشعوری طور پر یہی ہے کہ وہ جلد سے جلد دولت مند بن جائے اور اس کا محل دوسروں کے محل سے اُونچا نظر آئے۔

ہر ایک اسی فکر اور دُھن میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لے،

آرام و آسائش اور عیش و عشرت کے زیادہ سے زیادہ وسائل فراہم کرے، آرایش و نمائش کی چیزوں سے اپنے دولت کدے کو سجالے، تاکہ اپنے عزیز و اقارب اور حلقۂ احباب میں اپنی فوقیت اور عظمت کا سکّہ بٹھا سکے، محفل میں بیٹھ کر لاکھوں کی بات کر سکے اور ان اسباب و وسائل کا تذکرہ کر سکے جن کا ہونا آج زندگی کی قدر و عظمت کا معیار بن چکا ہے۔ بہترین لباس، بہترین سواری، شان دار کوٹھی، اور اسباب زینت و آرائش سے دوسروں کو مرعوب کرنا اور اپنی فوقیت جتانا آج کا عام رجحان اور عام اندازِ فکر ہو گیا ہے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جن لوگوں کو انسانیت کی اصل قدروں کا شعور ہے، جو آخرت کی ترجیح کی باتیں کرتے نظر آتے ہیں اور جو عام رجحان پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں اور آخرت سے غافل کر دینے والی اس فکر پر غم و افسوس کا اظہار کرتے ہیں، وہ بھی عملی اور سماجی زندگی میں انسان کو انھی پیمانوں سے ناپتے اور اسی کے مطابق انسان کا مقام متعین کرتے اور انسانوں سے معاملہ کرتے ہیں۔ غرض پورا سماج دولت کی ہوس میں بے تحاشا دوڑ رہا ہے۔ ہر ایک کو دولت کی ہوس نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ ہر شخص اس فکر میں سوتا ہے کہ شب میں کوئی سہانا خواب دیکھے اور صبح کو جب اُٹھے تو وہ کروڑوں کا مالک ہو۔ لمحوں میں دولت مند بن جانے کی ہوس شاید اسی دور کی خصوصی فکر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدا کا یہ نائب شاید زمین پر اسی لیے بھیجا گیا ہے۔ وہ کائنات کا علم بھی اس لیے حاصل کرتا ہے کہ کائنات کی دولت کو قبضے میں لے آئے اور عیش کے سارے سامان فراہم کر کے دادِ عیش دینے میں لگا رہے۔ سوسائٹی کا ہر فرد، الا ماشاء اللہ اس خبط میں مبتلا ہے کہ وہ زندگی کے ان گنے چنے دنوں میں جس قدر دولت سمیٹ سکے سمیٹ لے، اس کے سوا زندگی کا اور کوئی

مقصد نہیں ہے۔ یہی انسان کی معراج ہے۔ یہی قدر و عظمت کی علامت ہے اور یہی انسان کی فکر و صلاحیت اور توانائیوں کا مقصد و محور ہے۔

آپ کسی سے تعلق جوڑ رہے ہوں یا کسی سے تعلق توڑ رہے ہوں، بیٹیاں بیٹے کا رشتہ کر رہے ہوں، یا رشتے سے انکار کر رہے ہوں، یا سماج میں سماجی تعلق رکھنے اور جوڑنے کا سوال ہو، اولین چیز جو تعلق جوڑنے اور کسی سے قریب ہونے میں فیصلہ کن بنتی ہے وہ دنیا اور دنیا کی دولت ہے۔ رشتہ قائم کرتے وقت جو سوالات ذہن کے اُفق پر قدرتی انداز میں اُبھرتے ہیں وہ کچھ اسی قسم کے ہوتے ہیں: دولت و ثروت کا کیا حال ہے؟ بزنس کیسا ہے؟ عہدہ کیا ہے؟ آمدنی کس قدر ہے؟ جاگیر، جایداد اور رہن سہن کا معیار کیسا ہے؟

ان سوالات کی زبردست یلغار میں اول تو دین و اخلاق کا سوال سامنے ہی نہیں آتا اور اگر کبھی سوال اُبھرتا ہے تو دین و اخلاق کی قلیل سے قلیل مقدار کا محض تصور بھی اطمینانِ قلب کا سامان بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ فیصلہ کُن قدر مال و دولت کی فراوانی ہے نہ کہ دین و ایمان۔ اس کے برخلاف اگر ایمان و اخلاق کا اعلیٰ معیار بھی میسر آئے، لیکن غربت و افلاس اور دنیوی خستہ حالی کی تلافی، ایمان و اخلاق سے نہیں ہو پاتی، خواہ ایمان و اخلاق کا معیار جس قدر بھی بلند ہو۔

اُمت کی پستی اور ذلت و خواری کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ سوسائٹی میں ایمان و اخلاق کی ناقدری عام ہے اور قدر و منزلت کا معیار دولت و ثروت ہے۔ اللہ کے رسول صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمانوں کی سوسائٹی میں دین و اخلاق کی قدر و قیمت ختم ہو جائے تو زمین میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ آج ہمارا معاشرہ اسی مصیبت اور خواری میں

مبتلا ہے۔

کسی اور کے ساتھ آپ انصاف کر سکیں یا نہ کر سکیں، کسی اور کے لیے سنجیدہ ہو سکیں یا نہ ہو سکیں، کم از کم اپنے ہی ساتھ انصاف کیجیے اور اپنے معاملے پر ہی سنجیدگی سے غور کیجیے۔

اللہ نے آپ کو بیٹے بھی دیے ہیں اور بیٹیاں بھی۔ دنیا کی سوسائٹی میں آپ کو بیٹوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں اور بیٹیوں کی بھی۔ پیغام دیتے وقت اور پیغام قبول کرتے وقت کیا آپ کے سامنے دین و اخلاق کا سوال رہتا ہے؟ آپ کے حلقۂ احباب میں تعلق کی بنیاد کیا ہے؟ لڑکی کا پیغام قبول کرنا ہو یا لڑکے کا پیغام دینا ہو؟ کیا آپ کا معیار دین و ایمان رہتا ہے، یا محض دولت و ثروت؟

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک معیار دیا ہے۔ اگر یہ معیار آپ کے سامنے رہتا ہے اور سوسائٹی اس معیار کو معیار قرار دیتی ہے تو یہ اُمت کبھی ذلّت و خواری کا شکار نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ اُمت اگر رسول پاک ﷺ کے دیے ہوئے معیار کو معیار قرار نہیں دیتی۔ اس معیارِ قدر و منزلت کو ٹھکرا کر اپنے ذہن و فکر کے معیار پر اپنی سوسائٹی اور خاندان کی تعمیر کرتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اور دولت و جایداد، اور دنیوی عروج کی کوئی قوت اس کو ذلت و رسوائی اور فتنہ و فساد سے نہیں بچا سکتی۔ اللہ کے رسول ﷺ صادق و امین نے فرمایا ہے:

اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَن تَرْضَوْنَ دِيْنَہٗ وَخُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْہُ تَكُنْ فِتْنَۃٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (ترمذی، عن ابی ہریرہؓ) جب تمھارے یہاں کسی ایسے شخص کا پیغام آئے جس کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو (بلا تاخیر) اس سے اپنی دوشیزہ کا نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور بہت بڑا فساد برپا

ہو جائے گا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے لڑکی کے انتخاب کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تُنْکَحُ الْمَرْءَ ۃُلِاَرْبَعِ لِمَالِھَاوَلِحَسْبِھَاوَلِجَمَالِھَاوَلِدِیْنِھَافَاظْفَرْبِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ (بخاری، مسلم، عن ابی ہریرۃؓ)، عورت سے شادی چار بنیادوں پر کی جاتی ہے: مال و دولت کی وجہ سے، حسب و نسب کی وجہ سے، حُسن و جمال کی وجہ سے اور دین کی وجہ سے، تو تم دین دار خاتون کو حاصل کرو، تمھارا بھلا ہو۔

اس گفتگو کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ دین میں مال و دولت، حسب و نسب اور حُسن و جمال کی کوئی حیثیت اور مقام ہی نہیں ہے۔ یقیناً ان چیزوں کا پاس و لحاظ بھی رکھنا ہے اور یہ بھی خدا کی نعمتیں ہیں، نہ ان سے صرفِ نظر کی بات کہی جارہی ہے اور نہ ان کی ناقدری کوئی دانش مندی کی بات ہے۔ دنیا میں تعلق جوڑنے اور سماج میں رہنے، یا رشتہ قبول کرنے نہ کرنے میں ان نعمتوں کو نظر انداز کرنا اور ان کی تحقیر و تذلیل کرنا ہرگز درست نہیں۔ بات جو کہی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ یہی زندگی کا محور و مرکز نہ بن جائیں۔ اصل فیصلہ کن چیز دین و ایمان ہے، زندگی کا مقصود اور نصب العین، دین و اخلاق ہو اور دین و اخلاق کو بنیاد بنا کر زندگی کی تعمیر کی جائے۔ اس بنیاد کے ساتھ دنیا کی جو نعمتیں بھی میسر آجائیں وہ خدا کا انعام و اکرام ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا انعام و اکرام سمجھ کر ہی شکر گزاری کے گہرے جذبات کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ لیکن دین و ایمان سے محروم ہو کر جو بھی ملے وہ انعام و اکرام نہیں بلکہ خدا کا عذاب ہے، اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

محترم سامعین! اگر انسان یہ سمجھتا ہے کہ مال و زر کی کثرت اسے معاشرے میں باوقار بنائے

گی اور اس سے وہ راحت و اطمینان کو خرید سکتا ہے تو اس خیال اور وہم کو اپنے دل و دماغ سے نکال باہر کرے کیوں کہ انسان مادیت میں غرق ہو کر نہیں بل کہ اپنے اخلاق و کردار کو سنوار کر اور دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کر کے ہی امن و سکون اور راحت و آرام حاصل کر سکتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے چال چلن پر غور کرتا ہے اور خود اپنے اندر جھانک کر نہیں دیکھتا، یہی وجہ ہے کہ انسان سب کچھ حاصل کر کے بھی خوش نہیں رہ پاتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اپنی رضا کے مطابق تقوی والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ و آخر الدعوان ان الحمد للہ رب العالمین۔